سیر وسوانح

مجدد الف ثانی حضرت شیخ احمد سرہندیؒ
(حیات وخدمات)

ڈاکٹر محمد عبدالحق انصاری
مترجم: مفتی محمد مشتاق تجاروی

شیخ احمد سرہندی ۱۴ شوال ۹۷۱ھ/ ۲۶ مئی ۱۵۶۴ء بروز جمعہ پنجاب کے مقام سرہند میں پیدا ہوئے۔ نسباً فاروقی تھے۔ آپ کے خاندان میں کئی پشتوں سے تعلیم وتعلم کا سلسلہ جاری تھا، ابتدائی تعلیم اپنے والد شیخ عبدالاحد (۹۲۷ھ/۱۵۲۱ء-۱۰۰۷ھ/ ۱۵۹۸ء) سے حاصل کی پھر کلام پاک حفظ کیا، اس کے بعد سیالکوٹ (حال واقع پاکستان) کے مشہور عالم ملا کمال کشمیری (م ۱۰۱۷ھ/ ۹-۱۶۰۸ء)[۱] سے منطق، فلسفہ اور علم کلام کی تعلیم حاصل کی، حدیث صحیح بخاری کے شارح شیخ یعقوب صرفی (م ۱۰۰۳ھ/ ۱۵۹۴ء) سے اور تفسیر نیز حدیث کی امہات کتب قاضی بہلول بدخشانی سے پڑھیں۔ اور صرف سترہ سال کی عمر میں تحصیل علوم سے فراغت حاصل کرکے وطن واپس ہوئے۔

تین سال کے بعد شہنشاہ اکبر (۹۶۳ھ/ ۱۵۵۶م — ۱۰۱۴ھ/ ۱۶۰۵) کے پایۂ تخت آگرہ کا سفر کیا اور بعض درباری علماء جیسے فیضی (۹۵۴ھ/ ۱۵۴۷ — ۱۰۰۴ھ/ ۱۵۹۵) اور ابوالفضل (۹۵۸ھ/ ۱۰۰۱ء — ۱۰۱۱ھ/ ۱۶۰۲ء) کے ساتھ بھی نشست وبرخاست رہنے لگی۔ کہا جاتا ہے کہ فیضی کی غیر منقوط تفسیر سواطع الالہام کی تصنیف میں شیخ احمد نے بھی تعاون کیا تھا۔ تاہم ابوالفضل کے ساتھ ان کی زیادہ دن تک نہیں بنی ابوالفضل خدا کے وجود پر تو یقین رکھتا تھا لیکن شریعت وعبادت کا منکر تھا نیز تمام مذاہب کو مبنی بر غلط قرار دیتا تھا اور ہر معاملہ میں محض عقل پر بھروسہ کرتا تھا[۲] یہ خیالات صرف ابوالفضل کے نہیں تھے، شاہی دربار سے وابستہ متعدد علماء انہی خیالات کے حامل

تھے[۳] شیخ احمد نے اس صورت حال کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے:

"ہمارے عہد کے بعض لوگوں نے نبوت تک میں شک کرنا شروع کر دیا ہے اور دعوائے نبوت کے اثبات کے سلسلہ میں یہ اعتراضات کیئے ہیں کہ دعویٰ نبوت کا اثبات کرنا دشوار ہے۔ بہت سے لوگ الٰہی شریعت کا اتباع ہی نہیں کرتے اور یہ رجحان بڑھتا ہی جا رہا ہے حتیٰ کہ بہت سے لوگ علماء کو صرف اس لیے ایذا پہنچاتے ہیں کہ وہ اتباع رسول کی پابندی کرتے ہیں۔ جس کے ذکر کی ضرورت نہیں[۴]"

ابوالفضل کے ساتھ ایک مباحثہ میں شیخ احمد نے نبوت کا اثبات کیا ابوالفضل کو بھلا یہ کب گوارہ تھا۔ اس نے شیخ کے ساتھ توہین آمیز سلوک کیا، شیخ احمد نے بددل ہو کر ابوالفضل سے کنارہ کشی اختیار کر لی[۵] شیخ احمد کے والد کو جب اس کی اطلاع ہوئی تو آگرہ آ کر انھیں سرہند لے گئے، راستہ میں تھانیسر کی مقتدر شخصیت شیخ سلطان کی خواہش پر ان کی دختر سے شیخ احمد کا نکاح کر دیا[۶] سرہند پہنچ کر شیخ احمد نے اپنے والد کی نگرانی میں تصوف کی امہات کتب جیسے شیخ کلاباذی (م ۳۹۰ھ/۱۰۰۰ء) کی "التعرف لمذہب اہل التصوف"، شیخ شہاب الدین سہروردی (م ۶۳۲ھ/۱۲۳۴ء) کی عوارف المعارف اور شیخ ابن عربی (م ۶۳۸ھ/۱۲۴۰ء) کی فصوص الحکم وغیرہ کا مطالعہ شروع کیا[۷]

شیخ عبدالاحد نے اوائل عمر میں ہی شیخ عبدالقدوس گنگوہی (م ۹۹۱ھ/۱۵۸۳ء) کے ہاتھ پر بیعت کرنی چاہی۔ شیخ گنگوہی وحدۃ الوجود کے قائل تھے اور بڑے صاحب جذب وسکر تھے۔ لیکن شیخ گنگوہی نے انھیں پہلے علوم شرعیہ کی تکمیل کا حکم دیا۔ شیخ عبدالاحد نے تعمیل ارشاد میں واپس آ کر متعدد مقامات کا سفر کیا اور مختلف علماء سے دینی علوم کی تکمیل کی۔ چند سال بعد جب واپس لوٹے تو شیخ گنگوہی کا وصال ہو چکا تھا۔ اس لیے ان کے بیٹے اور خلیفہ شیخ رکن الدین سے قادری اور چشتی سلسلوں میں اجازت وخلافت حاصل کی[۸] شیخ عبدالاحد بھی وحدۃ الوجود میں یقین رکھتے تھے۔ لیکن جیسا کہ شیخ احمد نے وضاحت کی ہے وحدۃ الوجود کے اندھے مقلد نہیں تھے۔ انھوں نے اس نظریہ کے بعض پہلوؤں کی خود اپنے طور پر تشریح کی تھی[۹]

شیخ احمد نے ایک مکتوب میں اپنے والد کی ایک تصنیف کنز الحقائق کا ذکر کیا ہے[10] اور ان کے سوانح نگار محمد ہاشم کشمی نے ایک دوسری کتاب اسرار التشہد کا تذکرہ کیا ہے[11]

شیخ احمد نے تصوف کا مطالعہ اپنے والد کی نگرانی میں کیا اور انہی کی صحبت میں راہِ سلوک طے کی۔ اپنی کتاب مبدا و معاد میں اپنے والد کے اس احسان کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ میں نے اپنے والد سے نسبت فردیہ حاصل کی[12] اور انھوں نے یہ نسبت ایک مشہور صاحب وجد صوفی سے حاصل کی تھی۔ مجھے نفل عبادات خاص طور پر فرض نماز کا ذوق بھی اپنے والد سے ہی حاصل ہوا اور انھوں نے یہ ذوق ایک چشتی صوفی سے حاصل کیا تھا[13]

۱۰۰۷ھ/۱۵۹۷-۸ میں شیخ عبدالاحد کی وفات کے بعد شیخ احمد نے حج کا ارادہ کیا۔ اثنائے سفر دہلی میں خواجہ باقی باللہ (۹۷۱/۱۵۶۴ — ۱۰۱۲/۱۶۰۳) کے یہاں، جو ہندوستان میں سلسلہ نقشبندیہ کے بانی ہیں، حاضری دی۔ (خواجہ باقی باللہ چند ماہ پیشتر ہی دہلی تشریف لائے تھے لیکن اس مختصر سے عرصہ میں غیر معمولی شہرت حاصل کرلی تھی)

خواجہ کی ترغیب پر شیخ احمد نے کچھ وقت خواجہ کی خدمت میں گذارنے کا ارادہ کیا اور جلد ہی اتنے متاثر ہوئے کہ خواجہ کے ہاتھ پر بیعت کرلی اور سلسلہ نقشبندیہ سے جڑ گئے اور پھر خواجہ کی خدمت میں رہ کر فنا حقیقی یا جمع الجمع کی منزل تک رسائی حاصل کی[14] اس میں مزید ترقی کرتے رہے حتی کہ فرق بعد الجمع کے مقام تک پہنچ گئے، فرق بعد الجمع کا مقام خواجہ باقی باللہ کی نظر میں انسانی کوششوں کی انتہائی معراج اور مقام تکمیل ہے[15] خواجہ باقی باللہ اپنے مرید کی اس حیرت انگیز ترقی سے بہت متاثر ہوئے۔ انھوں نے اپنے ایک دوست کے نام خط میں لکھا کہ "سرہند سے شیخ احمد نامی ایک شخص ابھی جلد ہی آیا ہے۔ وہ بہت پڑھا لکھا ہے۔ اس میں غیر معمولی روحانی استعداد ہے۔ اس نے چند دن میرے پاس قیام کیا۔ اس درمیان میں اس سے متعلق میں نے جو کچھ دیکھا اس کی بنیاد پر میں امید کرتا ہوں کہ وہ مستقبل میں ایک ایسا چراغ ثابت ہوگا جو پوری دنیا کو روشن کردے گا[16]

آئندہ چار سال کے عرصہ میں شیخ احمد نے اپنے شیخ کی خدمت میں دو بار

حاضری دی۔ دوسری ملاقات میں سرہند واپسی کے وقت خواجہ باقی باللہ نے ان کو اپنا خلیفہ بنادیا اور روحانی ارشاد کی ذمہ داری ان کو سونپ دی۔ اپنے کچھ متوسلین کو بھی تعلیم وتربیت کے لیے ان کے سپرد کر دیا۔ اگرچہ شیخ احمد نے اس ذمہ داری کو قبول کرنے میں تامل کیا تاہم خواجہ کی اس یقین دہانی کے بعد کہ اب وہ کامل ہو گئے ہیں اسے قبول کرلیا۔[۱۴] تیسری اور آخری بار خواجہ کی وفات سے کچھ پہلے حاضری دی۔ اس بار اپنے مرید کی تعظیم کے خیال سے خواجہ نے چند قدم چل کر ان کا استقبال کیا اور ارشاد کی خاطر خود اپنے بیٹوں کو بھی ان کے سپرد کیا۔[۱۵]

شیخ احمد نے اپنے روحانی سفر کا حال کہیں اجمال کے ساتھ اور کہیں تفصیل سے کئی جگہ بیان کیا ہے۔ ذیل میں ان کی ایک عبارت کا ترجمہ نقل کیا جاتا ہے جس میں انھوں نے اپنے اس سفر روحانی کا تذکرہ کیا ہے۔

"میں نوعمری سے ہی نظریہ وحدۃ الوجود پر اعتقاد رکھتا تھا، بظاہر میرے والد بزرگوار بھی اسی کے قائل تھے اور وجودی خطوط پر روحانی وظائف انجام دیا کرتے تھے۔ لیکن اپنے اخفیٰ میں انھیں مرتبہ بے کیف حاصل تھا، مثل مشہور ہے کہ فقیہہ کا بیٹا آدھا فقیہہ ہوتا ہے۔ میں نے بھی اس نظریہ کو اچھی طرح سمجھا اور اس میں بصیرت حاصل کی اور میں اس میں لذت بھی محسوس کرتا تھا، لیکن بعد میں جب اللہ تعالیٰ نے مجھے شیخ باقی باللہ کے پاس پہنچایا اور انھوں نے مجھے نقشبندی طریقہ کی تعلیم دی اور میرے احوال کا بڑی گہرائی کے ساتھ مطالعہ اور مشاہدہ کیا تو مجھ پر نقش بندی طریقہ کے مطابق بہت جلد توحید وجودی منکشف ہو گئی اور میں پوری طرح اس کشف میں جذب ہو گیا اور اس تجربہ کے تمام معارف واسرار مجھ پر منکشف ہو گئے۔ پھر مجھے شیخ اکبر محی الدین ابن عربی کے فلسفہ کے دقیق اسرار سے واقف کرایا گیا، مجھے جلد ہی تجلّیِ ذات کا تجربہ ہو گیا۔ جس تجربہ کو صاحب فصوص الحکم نے روحانی معراج کی انتہا، قرار دیا ہے اور جس کے آگے ابن العربی کے بقول عدم محض کے علاوہ کچھ نہیں۔ میں نے اس تجلّی کے حقائق اور صداقتوں سے بھی

واقفیت حاصل کی جسے شیخ نے خاتم الاولیاء کے ساتھ مخصوص کیا ہے۔
میں اس توحیدی تجربہ میں اس قدر منہمک ہوگیا تھا اور اس سے اس
قدر مسحور تھا کہ میں نے اپنے شیخ کے پاس ایک خط میں مندرجہ ذیل مصرعے
تحریر کر کے بھیجے جو اسی سکر کی دین تھے۔ ؎

اے دریغا کیں شریعت ملت اعمائی است
ملت ما کافری و ملت ترسائی است

یہ شریعت افسوس اندھوں کی شریعت ہے۔ ہمارا راستہ کفار اور مجوسیوں کا راستہ ہے۔

کفر و ایماں زلف و روئے آں پری زیبائی است
کفر و ایماں ہر دو اندر راہ ما یکتائی است

کفر و ایماں اس حسن ازل کی زلف اور رخسار ہیں۔ ہمارے طریقے میں کفر و ایماں دونوں ایک ہیں۔

میری یہی حالت کئی مہینوں بلکہ سالوں تک رہی"۔[۱۹]

اپنے روحانی ارتقاء کے دوسرے مقام کو شیخ احمد نے ذیل کی عبارت میں بیان کیا ہے۔

"کچھ عرصہ کے بعد مجھے اشیاء سے متعلق نئی بصیرت حاصل ہوئی اور
اس بصیرت نے میرے شعور پر تسلط جما لیا، لیکن پہلے تو مجھے توحید
وجودی کے تعلق سے اپنے رجحان پر نظر ثانی کرنے سے ہچکچاہٹ
ہوئی۔ اس نظریہ پر نظر ثانی نہ کرنے میں اس کا احترام مانع تھا نہ کہ اس
سے بے تعلقی میں پیش و پس کی اس صورتحال میں بہت دن تک رہا،
آخر کار میں نے خود کو مجبور پایا کہ اس نظریہ کو ترک کر دوں۔ مجھے کشف
کے ذریعہ معلوم ہوا کہ توحید وجودی تو ایک کم تر درجہ ہے۔ مجھ سے
کہا گیا کہ میں مقام ظلیت تک پہنچوں (یعنی اس یقین تک کہ اشیاء اللہ تعالیٰ
کے ظلال (سائے) ہیں اور اللہ تعالیٰ ان سے مختلف اور جدا ہے) لیکن میں اس
مقام یعنی توحید وجودی سے ہٹنا نہیں چاہتا تھا، کیونکہ بہت سے عظیم صوفیہ
اس مقام کو آخری مقام سمجھ کر اسی کو منزل سمجھ بیٹھے تھے، لیکن میرے
پاس اس کے علاوہ کوئی چارہ کار نہ تھا۔ اس طرح مجھے مقام ظلیت
تک لایا گیا، جہاں پہنچ کر میں نے محسوس کیا کہ میں اور یہ پوری کائنات

اللہ تعالیٰ کے پرتو اور اس کے ظلال ہیں۔"

"میں اس مقام ظلیت سے بھی نہیں ہٹنا چاہتا تھا۔ کیونکہ یہ تصور وحدۃ الوجود کے تصور سے مشابہت رکھتا تھا، جس کا احساس اس وقت بھی میرے لیے تکمیل کی علامت تھا، لیکن ایسا ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنی محبت اور رحمت خالصہ کے طفیل اس مقام سے بھی آگے مقامِ عبدیت تک بڑھایا، یعنی یہ تصور کہ انسان صرف اللہ تعالیٰ کے بندے ہیں اور کچھ نہیں اور یہ کہ اشیاء صرف اس کی مخلوقات ہیں، نیز اللہ تعالیٰ اس کائنات سے کلیۃً جدا اور ماورا ہے۔"

"پھر مجھے اس مقام کی عظمت کا احساس ہوا اور اس کی بلندیوں کا میں قائل ہوگیا۔ میں نے اپنے پچھلے تجربات پر افسوس کیا، اللہ تعالیٰ کی طرف واپسی اس کے رحم وکرم کی وجہ سے ہوئی اور میں نے اس سے رحم وکرم اور لطف کی بھیک مانگی، اگر میری رہنمائی اس طرح نہ ہوئی ہوتی اور ایک مقام کے بعد دوسرے مقام کی عظمت سے آشنا نہ کیا گیا ہوتا تو میں توحید وجودی کے مقام پر پڑا رہتا۔ کیونکہ میری نظر میں توحید وجودی سے بڑا کوئی مقام نہیں تھا۔ بے شک اللہ تعالیٰ ہی کی ذات سیدھا راستہ دکھاتی ہے اور اسی کی طرف سے ہدایت ملتی ہے۔"[۳۰]

میں نے یہاں نسبتاً لمبا اقتباس نقل کیا ہے۔ تاکہ شیخ احمد کے روحانی ارتقار سے خود انہی کے بیان کی روشنی میں واقفیت ہوسکے، اس طرح ان شکوک وشبہات کا بھی ازالہ ہوجائے جنھیں بعض معاصر مصنفین[۳۱] نے شیخ احمد کے روحانی ارتقار کے بارے میں ان کو پورے طور پر نہ سمجھ پانے کی وجہ سے اٹھایا ہے، شیخ احمد نے اپنے روحانی سفر کے تین مراحل کے لیے یہ تین الفاظ یا اصطلاحات استعمال کیے ہیں (۱) وحدۃ الوجود (۲) ظلیت۔ (۳) عبدیت، خالص روحانی زبان میں یہ تین اصطلاحیں تین مقامات کی تشریح کرتی ہیں۔ یعنی جمع الجمع، فرق بعد الجمع اور فرق مطلق۔ پہلے دو مقام عام ہیں اور بیشتر صوفیہ کی ان تک رسائی رہی ہے جبکہ آخری مقام تک نسبتاً کم صوفیہ پہنچ پائے۔

شیخ احمد نے ان مقامات کو دو وجوہ کی بنا پر کئی جگہ بیان کیا ہے[۳۲] اولاً وہ ان

معاصر صوفیاء کے ذہن میں یہ بٹھانا چاہتے تھے جن کی اکثریت پہلے یا دوسرے مقام پر فائز تھی ۔کہ روحانی ارتقاء کا اس سے بھی بڑھ کر ایک مقام ہے ۔جہاں اللہ تعالےٰ کائنات اور انسان کی وحدت کا تصور ختم ہو جاتا ہے اور یہ یقین جازم ہو جاتا ہے کہ کائنات اور خالق کائنات میں کوئی چیز مشترک نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ کائنات سے کلی طور پر جدا ہے ۔ انسان اللہ تعالیٰ کی محض ایک مخلوق ہے ۔دوسری بات جو وہ بیان کرنا چاہتے تھے وہ یہ تھی کہ خدا تعالیٰ کی تنزیہہ مطلق کا عقیدہ ان کے لیے صرف ایمان کا مسئلہ نہیں جیسا کہ عام لوگوں کے لیے ہے اور نہ ہی ایسا ہے جیسا کہ عام علماء بیان کرتے ہیں ۔بلکہ ان کے لیے حقیقت ایک ذاتی تجربہ ہے جو ان کی خواہش کے علی الرغم ان کو حاصل ہوا ہے ۔

خواجہ باقی باللہ کی وفات کے بعد شیخ احمد نے سرہند میں مستقل سکونت اختیار کرلی اور اپنے آپ کو یکسو کر کے کچھ عظیم کاموں کی تکمیل میں مصروف ہو گئے ،انھوں نے سرہند سے بہت کم اسفار کیے ۔چند بار دہلی اور آگرہ گئے مگر وہ بھی اپنے کام کی تکمیل کے لیے ۔

پہلا کام جس کا شیخ احمد سرہندی نے بیڑا اٹھایا وہ ہندوستان میں سلسلہ نقشبندیہ کی توسیع و اشاعت تھی ۔جلد ہی ان کی شہرت پورے ملک میں پھیل گئی اور چاروں طرف سے لوگ ان کے پاس روحانی ہدایت کے لیے آنے لگے ۔شیخ ان کی رہنمائی کرتے، ان کی روحانی ترقیوں کا جائزہ لیتے اور جب وہ ایک مخصوص مقام تک پہنچ جاتے تو ان کو ان کے علاقوں میں واپس بھیج دیتے تاکہ وہاں جا کر نقشبندیہ سلسلہ کو فروغ دیں ۔ان میں جو زیادہ باصلاحیت تھے ان کو شیخ نے ہندوستان کے اہم شہروں جیسے لاہور، دہلی آگرہ، سہارنپور، بدایوں، جونپور، الٰہ آباد، مکن پور، پٹنہ، منگل کوٹ (بنگال) برہانپور (دکن)[۲۳] وغیرہ بھیجا اور سلسلہ نقشبندیہ کی تعلیمات پھیلانے کا حکم دیا ۔یہ سلسلہ بہت جلد مقبول عام ہو گیا ۔اس کی مقبولیت کا اندازہ سلطان جہانگیر کے اس جملے سے لگایا جا سکتا ہے جو اس نے اس سلسلہ کے شروع ہونے کے صرف ۱۶ سال بعد لکھا تھا کہ "شیخ کے عقیدت مند ہندوستان کے تمام شہروں میں پھیل گئے ہیں"[۲۴]

یہ سلسلہ صرف ہندوستان میں محدود نہیں تھا بلکہ افغانستان، ترکستان، طبرستان اور ایران میں بھی پھیلا ہوا تھا ،شیخ نے شادمان (اصفہان) حسین ابدال (کابل) کشم (بدخشاں) بیرک (قندھار) اور طالقان وغیرہ شہروں میں بھی اپنے خلفاء بھیجے اور ان سے

مستقل رابطہ رکھا، ان کو اگر کوئی مشکل درپیش ہوتی، یا لوگ ان سے اس سلسلہ کے بارے میں سوالات کرتے تو شیخ ان کا جواب دیتے۔ ان جوابی خطوط[۱۱۵] میں شیخ احمد نے نقشبندیہ طریقہ کے بنیادی نکات خاص طور پر اتباعِ سنت کو واضح کیا ہے۔ نیز سماع، رقص اور ذکر جہری کی ممانعت کی ہے۔ ان کے سلسلہ میں پُرمشقت عبادات سخت ریاضتیں بھی ناپسندیدہ ہیں اور کھانے، پینے اور پہننے میں میانہ روی کی تعلیم دی جاتی ہے ان کا طریقہ وجد، مشاہدات، تجلیات اور شطحیات کو بھی زیادہ اہمیت نہیں دیتا۔ نیز مکاشفات کو شریعت کے اصولوں پر پرکھتا ہے۔ یہ بتاتا ہے کہ تصوف کا مقصد نہ تو خدا تعالیٰ کے ساتھ اتحاد ہے اور نہ اس کی صفات ہی میں اشتراک ہے۔ بلکہ محض اللہ تعالیٰ کی بندگی اور اس کی اتباع ہے۔ مقام عبدیت سے بڑھ کر کوئی دوسرا مقام نہیں ہے۔

سلسلہ نقشبندیہ کی اشاعت چاہے جتنی اہم ہو تاہم یہ شیخ احمد کے اصل کام کا ایک جزء ہی تھا۔ انھوں نے لکھا ہے کہ میرا مقصد لوگوں کی محض روحانی تربیت نہیں ہے۔ میں کسی اور چیز کے لیے پیدا کیا گیا ہوں، میرا مشن دوسرا ہے[۱۱۶]۔ وہ اپنے آپ کو ایک ولی سے بڑھ کر ایک ایسا مجدد سمجھتے تھے جو الف ثانی (دوسرے ہزارسالہ) میں کارِ تجدید کے لیے اٹھایا گیا ہو[۱۱۷]۔ اگرچہ انھوں نے خود تفصیل سے نہیں لکھا ہے۔ تاہم یہ واضح ہے کہ ان کے سامنے ان کا مشن اور اس کے تقاضے پوری طرح واضح تھے۔ شیخ کے کام کا مطالعہ کرنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کا اصل مقصد الحاد اور غلط طریقوں پر تنقید کرنا، وحی، نبوت اور شریعت محمدیہ میں از سرِ نو یقین راسخ پیدا کرنا، نافرمانیوں، بدعات وخرافات کو مٹانا، اچھائیوں، نیکیوں اور اتباع سنت کا احیاء کرنا۔ نیز اسلام مخالف عناصر اور قوتوں کے خلاف جہاد اور اسلامی قوانین وداداروں کا قیام تھا۔ شیخ احمد نے اپنی تمام تر ذہنی وقلبی طاقتوں کو اس مقصد کے حصول کے لیے وقف کر دیا تھا۔ انھوں نے سماج کے ہر طبقہ، عوام، علماء صوفیا، سیاست داں، سب کے غلط خیالات کی اصلاح کے لیے کتابیں اور رسالے تصنیف کیے اور انھیں واضح کیا کہ قرآن وسنت اور عقل وطریقت کی روشنی میں کیا درست ہے؟ انھوں نے زندگی کے ہر پہلو سے متعلق اہم شخصیات کو خطوط لکھے، چاہے ان کا تعلق مدرسہ سے ہو یا خانقاہوں سے، فوج سے ہو یا حکومت سے ان سب کو توجہ دلائی کہ وہ اپنے زیر اثر حلقہ میں لوگوں کی اصلاح

کریں نیز، ان کو اس بھاری ذمہ داری کا احساس دلایا جو اللہ تعالیٰ نے ان کے کاندھوں پر ڈالی تھی۔ انھوں نے ان کے پاس اپنے پیغام رساں بھی بھیجے اور جب ضرورت محسوس کی خود بھی سفر کیا۔ ہند اور بیرون ہند میں اپنے مریدین کے ذریعہ لوگوں کے عقائد کی درستگی اور اتباع سنت کی مہم چلائی، انھوں نے اپنے مکاتیب کی متعدد کاپیاں تیار کرکے اپنے حلقہ مریدین میں تقسیم کروائیں۔ ذیل کے صفحات میں مختصراً اس عظیم کام کا بیان ہے جو شیخ احمد نے انجام دیا۔

سماج کا ایک محدود طبقہ جس کے عوام پر بڑے اثرات تھے درباری علماء کا تھا۔ میں نے اوپر ابوالفضل کا ذکر کیا ہے اس کے علاوہ ان کے والد ملا مبارک ناگوری (۱۰۰۱/۱۵۱۲) جس نے اکبر کو الحاد کی راہ پر ڈالا تھا[۲۹] میر فتح اللہ شیرازی (۹۹۷ھ/۱۵۸۸) جو اس کمیٹی کے سربراہ تھے جو شریعت مطہرہ کی معقولیت جانچنے کے لیے بنائی گئی تھی[۳۰] شریف آملی جس کو اکبر نے اپنے مذہب کی تبلیغ کے لیے بنگال میں متعین کیا تھا[۳۱]۔ اسی طرح اور بھی متعدد افراد تھے جنھوں نے یونانی فلسفہ پڑھا تھا اور ہندو پنڈتوں سے ہندی فلسفہ کی تعلیم حاصل کی تھی۔ انھوں نے وحی اور نبوت کی معقولیت پر اعتراضات کیے اور الٰہی شریعت کی ضرورت کا انکار کیا۔ اس رجحان کا مقابلہ کرنے کے لیے شیخ احمد نے آگرہ کے دوران قیام اپنی پہلی کتاب 'اثبات النبوۃ' لکھی۔ دربار کے حالات کا مختصر سا ذکر کرنے کے بعد جس کا تذکرہ آچکا ہے۔ نبوت کے مزاج اور اس کی ضرورت کے متعلق تفصیلی بحث کی اور یہ بتایا کہ کسی نبی کے دعوائے نبوت پر یقین لانے کا کیا طریقہ ہو سکتا ہے؟ خواب اور کشف کے حوالے سے، وحی کے امکان کو ثابت کیا اور پھر وحی کی ضرورت کو بیان کرتے ہوئے بتایا کہ انسانی عقل محسوسات سے ماوراء صداقتوں کو سمجھنے سے قاصر ہے اور جہاں تک صوفیہ کے کشف کا تعلق ہے تو اس میں غلطی کا امکان ہے کیونکہ مختلف صوفیہ کے مکاشفات میں خاصا اختلاف پایا گیا ہے[۳۲] جہاں تک کسی نبی کے دعوائے نبوت کے اثبات کا تعلق ہے تو مجدد صاحب نے معجزوں کے علاوہ نبی کی زندگی اس کے پیغام اور اس کے کام کو بطور استشہاد پیش کیا ہے۔ جہاں تک محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے اثبات کا تعلق ہے تو انھوں نے قرآن کریم، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مثالی زندگی آپ کی شریعت کا مکمل ہونا اور معاشرہ پر آپ کے غیر معمولی اثرات کو بطور

دلیل پیش کیا ہے۔ 'اثبات النبوہ' اس موضوع پر مختصر مگر بہت اہم اور زور دار کتاب ہے۔ اس میں اور دوسری کلامی بحثوں میں جوان کے خطوط میں منتشر ہیں انھوں نے اسلام کی پوری کلامی روایت سے استفادہ کیا ہے۔ خاص طور پر ماتریدیہ مکتب فکر سے جو اس وقت وسط ایشیا میں چھایا ہوا تھا لیکن اس کے علاوہ ان کی کتابوں میں متعدد نئے مباحث اور نکتے بھی ملتے ہیں۔ خاص طور پر صفات باری اور ذات باری، آزادیٔ ارادہ، ایام فترۃ کے ایمان وغیرہ اور وحدۃ الشہود کا صوفیانہ نظریہ۔ جس کی تفصیل آگے آرہی ہے

اکبری عہد میں نبوت کے علاوہ مقام صحابہ کو بھی ہدف طعن بنایا جارہا تھا، شیعوں نے ملک بھر میں ایک جوش کے ساتھ تنقیص صحابہ کی مہم چلا رکھی تھی۔ خاص طور پر ایران میں ان سرگرمیوں کی نشاۃ ثانیہ کے بعد بالخصوص تینوں خلفاء کو اس لیے مطعون کرتے تھے کہ انھوں نے بزعم خود حضرت علیؓ کو خلافت سے محروم کر دیا تھا اور حضرت علیؓ کے خلاف جنگ میں حصہ لینے کی وجہ سے حضرت عائشہؓ، حضرت طلحہؓ، حضرت زبیرؓ اور امیر معاویہؓ کے خلاف بھی زبان درازی کرتے تھے اور وہ صحابہ جنھوں نے ان کی حمایت کی ان کو بھی ہدف طعن بناتے تھے، ان کی طعن و تشنیع بڑھتے بڑھتے حضرت علی اور ان کے چند حامیوں کو چھوڑ کر پورے گروہ صحابہ کو حاوی ہوگئی۔ دربار آگرہ کے جو علماء اس تحریک کو چلا رہے تھے۔ ان کی قیادت قاضی نور اللہ شوشتری کر رہے تھے[۳۴] جنوب میں اس کی قیادت برہان نظام شاہ (۵۳ - ۱۵۰۸) نے سنبھال رکھی تھی۔ جنھوں نے صحابہ کرام پر تبرا کرنے اور اس کی راہ میں مزاحم ہونے والوں کو قتل کر دینے کے لیے سیکڑوں لوگوں کو بطور خاص ملازم رکھا تھا[۳۵] شمال میں اس مہم کا دوسرا مرکز کشمیر تھا۔ آگرہ میں علماء نے ایک کتاب شائع کی جس میں انھوں نے وسط ایشیا کے سنی علماء کی طرف سے ان کے اپنے خلاف کی جانے والی تنقید کا رد کیا تھا اور اپنے موقف کو درست ٹھہرایا تھا۔ اس کتاب کو ایک معرکہ آراء کتاب کی حیثیت سے پیش کیا جارہا تھا۔

حضرت شیخ احمد سرہندی نے 'رد روافض' میں اس کتاب پر تنقید کی ہے اور اہل سنت کے موقف کی تائید کی ہے۔ اس کتاب میں اور اس موضوع سے بحث کرنے والے دوسرے خطوط میں[۳۶] شیخ احمد نے یہ دکھایا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب

کی تنقیص واہانت غلط اور تباہ کن ہے۔ اولاً تو یہی درست نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کو اپنا جانشین مقرر کرنے کی وصیت کی تھی، ان کی نامزدگی کے بارے میں جو روایات ہیں وہ سب موضوع ہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ ابتدائی تین خلفاء سے یہ بات مستبعد ہے کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیت کے خلاف کام کریں۔ نیز اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کو جانشین بنایا ہوتا تو یہ بات حضرت علیؓ کے وقار کے بھی خلاف ہے کہ ان تینوں کی اتباع کرکے اپنے حق کا ابطال کرتے۔ تیسری بات یہ ہے کہ اگر شیعہ موقف قبول کرلیا جائے اور صحابہ کی مذمت کی جانے لگے تو اس سے قرآن کی حقانیت شدید طور پر متاثر ہوگی چونکہ قرآن پاک کو صحابہ نے ہی جمع کیا تھا۔ اسی طرح حدیث کے پورے ذخیرہ پر سے اعتبار بھی مجروح ہوجائے گا۔ چونکہ وہ بھی صحابہ سے ہی نقل ہوکر آیا ہے اور یہ بات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس مشن کو بھی مجروح کرتی ہے جس کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے تھے، یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی پوری زندگی ایسے لوگوں کو تیار کرنے میں گزار دی جنھوں نے اپنے لیڈر کی آنکھیں بند ہوتے ہی اس کی ایک غیر معمولی وصیت کی خلاف ورزی شروع کردی۔ صحابہ میں سے جنھوں نے بعد میں حضرت علی کی مخالفت کی تھی اس کے بارے میں شیخ احمد نے واضح طور پر لکھا ہے کہ اس معاملے میں حضرت علی برسرحق تھے اور ان کے مخالفین غلطی پر تھے۔ تاہم ان کی غلطی اجتہادی تھی جیسا کہ بہت سے علماء نے اس طرف اشارہ کیا ہے کہ اس اختلاف کا سبب ذاتی اغراض نہیں تھے اس لیے ان پر تنقید کرنے کے بجائے ان کو معذور سمجھنا چاہیے۔ اور اگر کوئی یہ سوچتا ہے کہ یہ توجیہ، طلحہؓ، زبیرؓ اور عائشہؓ کو تو بری کردیتی ہے۔ لیکن معاویہؓ کو نہیں[۴۲۸] جن کو شیخ احمد نے بھی مستثنیٰ قرار دیا ہے۔ تب بھی ان کی وفات کے بعد ان کی تنقیص کا عمل نامناسب ہے[۴۲۹] خاص طور پر جبکہ انھوں نے اسلام کی بے شمار قابل قدر خدمات انجام دی ہیں۔

شیخ احمد کی 'رد روافض' کو ہاتھوں ہاتھ لیا گیا، اس کی مقبولیت کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ اس کی تصنیف کے تقریباً ایک صدی بعد بھی شاہ ولی اللہ جیسے پائے کی شخصیت نے اس کی شرح لکھی اور اس کی قبولیت میں مزید اضافہ

کیا[50]۔ اس دور میں عام مسلمانوں کی زندگی شرک و بدعت سے پر ہو گئی تھی۔ اولاً مشرکانہ مذاہب اور ہندوستانی ثقافت کے ساتھ ان کے ربط کی وجہ سے اپنے عقائد سے نابلد مسلمانوں نے غیر مسلموں کی مذہبی رسوم میں شرکت اختیار کر لی تھی[1] اور مختلف اغراض کے لیے ان کے دیوتاؤں اور بتوں سے منت مانگنے لگے تھے۔ خاص طور پر عورتیں، چیچک سے بچنے کے لیے ان کی پرارتھنا کیا کرتی تھیں[2]۔

انھوں نے راکھی اور دیوالی جیسے ہندو تیوہاروں میں بھی شرکت شروع کر دی تھی۔ دیوالی کے موقع پر بالکل ہندؤں کی طرح مسلمان بھی دیئے جلاتے تھے اور کھانا پکا کر رنگ برنگ برتنوں میں دوستوں کے یہاں تحفہ بھیجا کرتے تھے[3]۔ ہندو تہذیب کا اثر دوسرے طبقوں تک بھی پہنچ چکا تھا، مثلاً دکن میں خانخاناں کے دربار میں ایک شاعر نے کفری[4] تخلص اختیار کر رکھا تھا۔

مذہبی انحطاط کا دوسرا سبب جاہل اور گمراہ صوفیہ کے اثرات تھے، ان کے نام پر نذریں مانی جاتی تھیں اور بڑے صوفیہ کی قبروں پر قربانیاں چڑھائی جاتی تھیں، عورتیں اپنے صوفی پیروں کے نام کے روزے رکھتی تھیں اور مختلف قسم کی دیگر رسومات ادا کرتی تھیں۔ مثال کے طور پر وہ چاہے کتنی ہی فارغ البال ہوں، لیکن مانگی ہوئی بھیک سے ہی روزہ افطار کرتی تھیں[5]۔ پندرہ شعبان کی شب، رجب کی ستائیسویں شب اور رجب کی پہلی جمعرات جسے لیلۃ الرغائب کہا جاتا تھا وغیرہ کو بڑے اہتمام سے مناتے تھے۔ اس موقع پر اجتماعی طور پر نفل نماز پڑھنا نیکی کا کام سمجھا جاتا تھا[6]۔

صوفیہ میں سماع اور وجد و رقص عام تھا عید میلاد النبی کو بڑی دھوم سے مناتے تھے[7]۔ حتیٰ کہ خود شیخ احمد سرہندی کے پیر خواجہ باقی باللہ کے لڑکے بھی جمعرات کے دن قوالی میں شرکت کو معیوب نہیں سمجھتے تھے[8]۔ فرائض و سنن کے مقابلے میں ذکر و فکر کو زیادہ اہمیت دی جاتی تھی، لوگ چلہ کشی کرتے، نماز باجماعت کا اہتمام نہیں ہوتا تھا[9]۔ مریدوں میں پیروں کے بارے میں یہ تصور عام تھا کہ ان کے اندر ایسی روحانی قوت ہے کہ اگر کسی سے ناراض ہو جائیں تو اسے روحانی ارتقاء سے محروم کر سکتے ہیں اور اگر کسی سے راضی ہو جائیں تو اللہ تعالیٰ سے اس کے گناہ بھی بخشوا سکتے ہیں[10]۔

وجودی صوفیہ تو شریعت کو درخورِ اعتنا ہی نہیں سمجھتے تھے۔ ان کا کہنا تھا کہ شریعت

علم یقین حاصل کرنے کا ایک ذریعہ ہے۔ اس لیے اگر کسی کو وحدۃ الوجود کی معرفت حاصل ہو تو پھر اسے انبیائی شریعت کی حاجت باقی نہیں رہتی[۵۳] کچھ صوفیہ یہ کہہ کر نماز کی اہمیت گھٹایا کرتے تھے کہ یہ اللہ اور بندے کے درمیان تفریق کرتی ہے[۵۴] بعض صوفیہ فنا کے تصور پر عمل پیرا تھے اور جزاء و سزا کے منکر تھے[۵۵] کچھ صوفیہ توحسین چہروں کو دیکھنے اور خوش گلو آواز کو سننے کا یہ جواز نکالتے تھے کہ یہ حسن ازل کے مظاہر ہیں[۵۶]

شیخ احمد نے ان افکار و خیالات کا تذکرہ اپنے خطوط میں کیا ہے اور ان کو کفر، شرک اور بدعت قرار دیا ہے، انھوں نے صوفیہ کو ہدایت کی کہ ان گمراہیوں سے بچیں اور اپنی زندگی کو درست کریں، مثلاً تھانیسر کے ایک صوفی کے نام ایک خط میں لکھا۔

"نماز عشاء کو نصف شب تک اس ارادہ سے مؤخر کرنا کہ اس طرح تہجد کی نماز بھی پڑھی جائے، قابل اعتراض ہے حنفی فقہاء نے اس کو مکروہ تحریمی قرار دیا ہے.... یہ چیز ختم ہونی چاہیے.... آپ اپنے وضو کا ماء مستعمل دوسروں کو پینے کی ہدایت ہرگز نہ کریں اس لیے کہ ماء مستعمل امام ابوحنیفہ کے نزدیک ناپاک ہے فقہاء نے اس کے استعمال سے منع کیا ہے۔ مجھے معتبر ذرائع سے یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ آپ کے خلفاء کو ان کے مریدین سجدہ کرتے ہیں اور تعظیم کے لیے صرف سر جھکانے کو کافی نہیں سمجھتے۔ یہ فعل شنیع ہے اس کی شدید مذمت کرنی چاہیے اور اس کو بند کر دینا چاہیے۔"[۵۷]

شیخ احمد بدعتِ حسنہ و سیئہ میں کوئی تفریق نہیں کرتے۔ ان کا کہنا ہے کہ دین میں مطلقاً اضافہ بدعت ہے اپنے ایک مرید کے نام ایک خط میں لکھتے ہیں:۔

"تم نے پوچھا کہ میں ذکر جہری کو کیوں منع کرتا ہوں اور بدعت کہتا ہوں، جب کہ اور بہت سی دیگر اشیاء کو منع نہیں کرتا جو عہد نبوی میں نہیں تھیں جیسے فرنگی لباس (سامنے کا پورا حصہ کھلا ہوا، اچکن کی طرح) اور پائجامہ وغیرہ۔ اس بات کو یاد رکھو کہ رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے اعمال دو طرح کے تھے، کچھ تو عبادات کے قبیل سے تھے اور کچھ عرف و عادت یا رسوم و رواج کے قبیل سے جو اعمال بطور عبادت کیے تھے۔

ان میں مداخلت بدعت ہے۔ اس کی سختی سے مخالفت ہونی چاہئے چونکہ یہ دین میں اضافہ ہے، البتہ جو کام بطور عرف و عادت کیے ہیں، ان میں تبدیلی بدعت نہیں کہلائے گی۔ چونکہ ان کا تعلق دین سے نہیں ہے۔ ان کا وجود اور عدم وجود عرف و عادت پر ہوتا ہے، مذہب پر نہیں [۵۸]

شیخ احمد نے جن بدعات کا تذکرہ کیا ہے ان میں سے کچھ تو دین میں اضافہ ہیں جن کے لیے کوئی نص موجود نہیں ہے۔ نیز ان سے شریعت کی قائم کردہ ترجیحات بھی متاثر ہوتی ہیں۔ اسی طرح ان سے ایسی چیزوں کو فروغ ملتا ہے جو شریعت کے خلاف ہیں، اسی طرح کا ایک تصرف یہ تھا کہ شریعت نے جن احکام کے لیے وقت اور جگہ کا تعین کیا ہے۔ لوگ ان میں جگہ اور مقام کی تبدیلی بھی کرتے تھے، شیخ احمد کا کہنا تھا کہ ہر قسم کی بدعت، اعمال کی انجام دہی کے مطلوبہ طریقوں میں تبدیلی کرتی ہے اور سنت کو ہٹا کر اس کی جگہ لے لیتی ہے [۵۹]

شیخ احمد نے اس بات پر افسوس کا اظہار کیا ہے کہ جو علما، لوگوں کو شریعت کے مطابق زندگی گذارنے کا حکم دینے پر مامور تھے وہ خود بدعت و گمراہی میں مبتلا ہیں، لکھا ہے کہ اس وقت سارا عالم بدعت کے دریا میں غرق ہو چکا ہے اور برائیاں فروغ پا رہی ہیں آج کے علما بھی بدعت کے مبلغ اور سنت کے مخالف بنے ہوئے ہیں، بدعت کی مخالفت اور سنت کی حمایت کرنے کی کسی میں ہمت نہیں ہے۔ بیشتر علما، لوگوں کو یہ کہہ کر بدعت میں مبتلا کر رہے ہیں کہ یہی طریقہ زیادہ صحیح اور قابل اعتماد ہے [۶۰]

علما، صرف بدعت کے فروغ پر اکتفا نہیں کر رہے ہیں بلکہ پورے نظام دین کو مسخ کرنے کی کاوش کر رہے ہیں۔ ایک عالم جو پورے ملک کے سب سے معتبر دینی عہدے پر فائز ہیں انھوں نے فتویٰ دیا ہے کہ مکہ کا راستہ پر خطر ہونے کی وجہ سے حج کی فرضیت ساقط ہو گئی [۶۱] ایک دوسرے عالم نے لاہور میں فتویٰ دیا ہے کہ سود لینا جائز ہے [۶۲] کچھ دوسرے علما نے بادشاہ کے سامنے تعظیماً رکوع کرنے اور زمین پر سر رکھنے کو جائز قرار دیا ہے [۶۳] اس فعل کے جواز میں ایک "تاج العارفین" نے وحدۃ الوجود کا سہارا لیتے ہوئے یہاں تک کہہ دیا کہ بادشاہ اور خدا دونوں ایک ہی ہیں۔ دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے [۶۴] ایک دوسرے عارف کہتے ہیں کہ چونکہ جنت میں لوگ بغیر داڑھی کے ہوں گے اس

لیے داڑھی منڈوانا جائز ہے۔[۶۴]

حضرت شیخ احمد اس طرح کے اقوال کو دین میں مداخلت قرار دیتے ہیں اور ان کے کہنے والوں پر سخت تنقید کرتے ہیں۔ وہ ان کو دین کا رہزن بتاتے ہیں۔[۶۵] شیخ احمد کے غیظ و غضب کا اصل نشانہ ملا مبارک اور ابوالفضل جیسے درباری علما رہیں جنھوں نے اکبر کو گمراہ کیا۔[۶۵] وہ ان کی سطحیت اور علمی کم مائیگی کو اسلام سے انحراف اور آزاد خیالی کی وجہ قرار دیتے ہیں۔[۶۶] وہ انھیں ایسا خود غرض اور کم ظرف بتاتے ہیں کہ ذاتی مفادات کے لیے آپس میں لڑا کرتے ہیں اور ایک دوسرے کو فاسق و فاجر اور مفسد قرار دیتے ہیں اور اپنے منصب سے فائدہ اٹھا کر محض دولت دنیا جمع کرنے کی کوشش میں لگے ہوئے ہیں۔[۶۷]

حضرت شیخ احمد نے ملک کے خدا ترس علما سے اپیل کی کہ وہ اپنی ذمہ داریوں کا احساس کرتے ہوئے ان غلطیوں کی اصلاح کریں۔ جنھوں نے عوامی زندگی کو بھی متاثر کیا ہے اور اسلام کی تصویر بھی بگاڑی ہے۔ انھوں نے تنبیہ کی کہ اس معاملے میں معاہمت کی کوئی بھی کوشش خطرناک ثابت ہوگی، مثال کے طور پر لاہور کے ایک بڑے عالم کے نام طویل خط لکھا، جہاں بعض علما نے سود کے جواز کا فتویٰ دیدیا تھا۔ اس خط میں شیخ نے ان کے دلائل کی تردید کی اور انھیں توجہ دلائی کہ فریضہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو انجام دیں۔[۶۸] ایک دوسرے خط میں جو انھوں نے اپنے خلیفہ ملا احمد برکی کے نام لکھا ہے فرماتے ہیں۔

"جہاں جہاں بدعات کا زور ہے وہاں پوری توجہ اور لگن سے شرعی احکام اور فقہی اصولوں کو رواج دینے کی کوشش کرو۔ اپنے آپ کو تیار کر کے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دو، یہ تمہاری ذمہ داری ہے اور اسے صرف خوشنودی رب کے حصول کے لیے کرو۔[۶۹]

۹۸۷ھ/ ۱۵۷۹ء میں درباری علما نے ایک محضر نامہ تیار کروایا[۷۰] اور اس پر علما کے دستخط کروا کے اسے اکبر کی خدمت میں پیش کیا۔ اس میں انھوں نے لکھا کہ اکبر نہایت عادل، ذی علم اور خدا ترس ہے، اس لیے اس کا مقام مجتہد سے بھی افضل ہے اور اس کو مجتہدین کے مابین مختلف فیہ معاملات میں فیصلہ دینے کا اختیار ہے۔ یہ حق حاصل کرنے کے بعد اکبر نے اگلے دو دہوں میں تین ایسے بنیادی اقدامات کیے جن کے برصغیر میں اسلام

اور مسلمانوں کے مستقبل پر دوررس اثرات مرتب ہوئے اول اس نے ملا مبارک اور اس کے بیٹے ابوالفضل کا ایجاد کردہ ایک نیا مذہب دین الہٰی جاری کیا[۵۱] اس دین کی بنیاد یہ کہہ کر رکھی گئی کہ چونکہ اسلام اپنے ہزار سال جو کسی بھی مذہب کی طبعی عمر ہے پورے کر چکا ہے اسی لیے اب اس کو تبدیل کرنے کی ضرورت ہے۔ یہ دینِ الہٰی اس طرح ترتیب دیا گیا کہ اس میں اسلام کے سوا تمام دیگر مذاہب جیسے ہندو مذہب، بدھ مذہب، عیسائیت، یہودیت وغیرہ کے عقائد و رسومات شامل تھے۔ اس کی تفصیلات[۵۲] بہت دلچسپ ہیں لیکن یہاں ان سے تعرض نہیں کیا جائے گا۔ اس مذہب کے بانی اور چند دیگر چیلوں جن کی مجموعی تعداد اٹھارہ تھی کے علاوہ کسی نے بھی اس مذہب کو سنجیدگی سے نہیں لیا۔ اور ایسے اشارے موجود ہیں کہ خود اکبر جو اس مذہب کا سرپرست اعلیٰ تھا۔ آخر میں اس سے منحرف ہو گیا تھا[۵۳] یہ بھی قابل ذکر ہے کہ شیخ احمد جنھوں نے اکبر کے دیگر اعمال پر تنقید کی انھوں نے اس مذہب کا کوئی نوٹس نہیں لیا بحیثیت مذہب یہ مکمل طور پر ناکام ہوا، اس سے صرف یہ اندازہ ہوتا ہے کہ اس دور میں مذہبی زوال کس حد تک پہنچ گیا تھا اور لوگ کس قسم کے شکوک و شبہات میں مبتلا ہو گئے تھے اس سے زیادہ اس کی کوئی اہمیت نہیں۔

دوسری اور زیادہ اہم چیز یہ ہوئی کہ اکبر نے اپنے دربار میں ایسے لوگوں کو جمع کیا جو اسلامی عقائد و عبادات اور اسلامی شخصیات کو ہدف تنقید بناتے تھے اور ان کی تحقیر و استخفاف کرتے تھے، اکبر اگرچہ بنیادی طور پر مختلف مذاہب میں صداقت کا متلاشی تھا، لیکن بعض خود غرض اور تنگ نظر علماء کی آپسی رنجش نے اس کوشش کو اسلام کے خلاف ایک مہم میں تبدیل کر دیا۔ خدا پر ایمان تو باقی رہا لیکن بقیہ چیزیں جیسے تخلیق کائنات، ملائکہ بعث بعد الموت، وحی و رسالت وغیرہ کا انکار کر دیا گیا۔ اس کے بجائے عالم ازلی قرار پایا اور عقیدہ تناسخ کو رسوخ حاصل ہوا، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کو بھی ہدفِ طعن بنایا گیا۔ مختلف افراد کے ناموں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نامی جزء کے طور پر استعمال ہوتا تھا اسے حذف کر دیا گیا (جیسے محمد فرید کو صرف فرید کہا جانے لگا) نماز اور دوسرے اعمال پر تنقید کی گئی۔ حلت و حرمت کے قانون کا مضحکہ اڑایا گیا وغیرہ[۵۴] یہیں پر بس نہیں ہو گیا بلکہ جس نے بھی اس کو قبول کرنے سے انکار کیا یا اعتراض کرنے کی ہمت کی اس کی تذلیل کی گئی، سزائیں دی گئیں بلکہ ان کا خاتمہ تک کیا گیا[۵۵]

تیسری اہم بات یہ ہوئی کہ اکبر نے شریعت اسلامیہ پر مبنی ملک کے قانون کو تبدیل کرنے کی کوشش کی، اس نے زکوٰۃ اور جزیہ کو ختم کردیا، شراب نوشی اور جوئے کو جائز قرار دے دیا۔ چچازادوں کے مابین مناکحت جو اسلام میں جائز ہے اس کو ممنوع کردیا، ایک سے زائد شادیوں پر پابندی عائد کردی، جسم فروشی کے کاروبار کو فروغ دیا گیا، ذبیحہ گائے پر پابندی لگادی اور مختلف ایام میں جانوروں کا ذبح کرنا ممنوع قرار دے دیا خطبہ جمعہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کے اسماء مبارکہ نکال دیئے گئے، سنہ ہجری موقوف کردیا گیا، نئے ہزار سالہ کے آغاز پر نئے سکے جاری کیے گئے۔ عربی اور اسلامیات کے مطالعہ کی حوصلہ شکنی کی گئی، عربی مدارس کے لیے دی جانے والی سرکاری امداد یا تو بند کردی گئی یا مختصر کردی گئی اور جو اسلامی عہدے اور مناصب خالی ہوگئے تھے ان کو پر نہیں کیا گیا۔[۲۴]

ان چیزوں کا اثر یہ ہوا کہ اسلام کو دوسرے مذاہب کے درمیان، بحیثیت مذہب زندہ رہنا مشکل ہوگیا۔ اس کو دبانے اور معتوب کرنے کی کوشش کی گئی۔ شمالی ہند میں چیتنیہ کی سرکردگی میں چلنے والی ہندو احیاء پرستی کی تحریک نے صورتِ حال اور بھی خراب کردی، متعدد مقامات پر مسلمانوں کی جان غیر محفوظ ہوگئی، مسجدیں شہید کی گئیں۔ اسلامی اعمال کی انجام دہی ممنوع قرار دی گئی۔ شیخ احمد نے اس صورتِ حال کا اپنے خطوط میں متعدد جگہ تذکرہ کیا ہے۔ ایک جگہ لکھا ہے۔ سابقہ ایام میں غیر مسلم، مسلم بستیوں میں بھی اپنے مذہبی رسوم آزادانہ ادا کرتے تھے جبکہ مسلمان اسلام کی اتباع بھی نہ کرسکتے تھے اور اگر اس کی ہمت کرتے تو ان کو موت کی سزا دی جاتی۔[۲۵] ہندو مسجدوں کو شہید کرنے اور ان کی جگہ مندر تعمیر کرنے سے بھی نہیں ہچکچاتے تھے۔ مثال کے طور پر کوروکشیتر میں ایک مسجد اور کسی بزرگ کا ایک مزار تھا، ہندوؤں نے اس کو شہید کرکے اس کی جگہ ایک بہت بڑا مندر تعمیر کرلیا، غیر مسلم حضرات اپنی مذہبی رسوما علانیہ ادا کرتے تھے۔ جبکہ مسلمان اپنی مذہبی عبادات کو ادا کرنے کی بھی طاقت نہیں رکھتے تھے۔ ایکادشی (EKADASHI) کے دن ہندو برت رکھتے تھے۔ دیکھنے کی بات یہ ہے کہ اس دوران مسلم محلوں میں مسلمان کھانا بھی نہیں بنا سکتے تھے اور نہ ہی کھانا فروخت کرسکتے تھے۔ جبکہ رمضان المبارک میں وہ لوگ کھلے عام کھانا تیار کرتے اور اشیاء خوردونوش کی فروخت کرتے ہیں۔ لیکن اہل اسلام

کی کمزوری کی وجہ سے کوئی ان سے کچھ نہیں کہہ سکتا افسوس کی بات یہ ہے کہ ملک کا حکمراں ہم ہی میں سے ایک فرد ہے اور ہم اس قابل رحم حالت میں رہ رہے ہیں[۳۸]

اکبر کی وفات کے بعد ان کے بیٹوں میں جانشینی کا ہنگامہ ہوا۔ سلیم کو بعض ایسے درباری امرا کی حمایت حاصل ہوگئی جو اکبر کی مذہبی پالیسی کے خلاف تھے، سلیم نے ان سے وعدہ کیا تھا کہ وہ شریعت کی حمایت کرے گا[۳۹] اکبر کی وفات کے بعد ۱۰۱۴ھ/۱۶۰۰ء میں وہ تخت نشین ہوا۔

حضرت شیخ احمد کو جہانگیر کی تخت نشینی سے مسرت ہوئی، لیکن انھیں یقین نہیں تھا کہ جہانگیر اپنے وعدہ کو پورا کر سکے گا یا اگر کرنا بھی چاہے تو شاید اس کو اس کی اصلاح کا طریقہ ہی نہ معلوم ہو اس لیے شیخ احمد نے شریعت سے جہانگیر کے تعلق کو مضبوط کرنے اور اس تک صحیح مشورہ پہنچانے کی کاوش کو اپنا مطمح نظر بنایا، شیخ احمد کو ان عناصر کی مخالفت کا بھی اندیشہ تھا جو اگرچہ دب گئے تھے لیکن ختم نہیں ہوئے تھے۔ صورت حال کے اس تجزیہ کے بعد انھوں نے جہانگیر کے قریبی بڑے عہدیداروں کو خطوط لکھے اور انھیں اسلام اور مسلمانوں کی قابل رحم حالت کے بارے میں بتا کر فوری کارروائی کی ضرورت کا احساس دلایا۔ جہانگیر کے استاذ اور ملک کے صدر الصدور صدر جہاں (م ۱۰۲۷/۱۶۱۸ء) کے نام ایک خط میں لکھا:-

"اب جبکہ صورت حال بدل چکی ہے، لوگوں کی عداوتیں کم ہو چکی ہیں اسلامی زعما، صدر اسلام اور علما اسلام پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ شریعت کو نافذ کرنے کی کوشش کریں، اسلام کے وہ ارکان جو منہدم ہو گئے ہیں ان کو دوبارہ رائج کریں۔ مجھے اس کا شدید احساس ہے .... اگر بادشاہ شریعت مصطفویہ کے نفاذ کے بارے میں کوشاں نہ ہو اور اس کے قریبی لوگ اپنے آپ کو اس معاملے میں معذور سمجھیں اور وقت کو اسی طرح گذار دینا چاہیں تو آگے چل کر عام مسلمانوں کے لیے جنھیں کوئی قوت حاصل نہیں ہے زندگی دشوار ہو جائے گی[۴۰]

ایک دوسرے درباری امیر خاں جہاں (م ۱۰۴۰ھ/۱۶۳۰ء) کے نام انھوں نے لکھا کہ:-

"جب بادشاہ آپ کی بات توجہ سے سنے اور اس کو اہمیت دے تو اگر آپ

انھیں اہل سنت وجماعت کے عقائد مختصر یا تفصیل کے ساتھ بیان کردیں تو یہ بڑی بات ہوگی۔ براہِ کرم بادشاہ کو شریعت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں بتائیے اور اسلام یا مسلمانوں کے دفاع میں اگر کوئی موقع ملے تو اس کو ہاتھ سے نہ جانے دیجئے۔ اسلام کے اصول کا دفاع کیجئے اور بدعت وگمراہی پر تنقید کیجئے۔"[۸۱]

جب جہانگیر نے علماء کی ایک چہار رکنی کمیٹی تشکیل دی تو شیخ فرید جنھوں نے جہانگیر کی حکومت کو بچانے میں نمایاں کردار ادا کیا تھا کے نام شیخ احمد نے نصیحت کرتے ہوئے لکھا کہ وہ ایک ہی خدا ترس اور فاضل ولائق عالم کا انتخاب کریں۔ تاکہ ایسا نہ ہو کہ علماء باہمی چپقلش میں مبتلا ہو کر جہانگیر کو بھی ایسے ہی گمراہ کردیں جس طرح ان سے قبل ان کے باپ کو گمراہ کر دیا تھا۔[۸۲]

حضرت مجدد الف ثانی نے مختلف صوبوں کے اعلیٰ حکام کو بھی خطوط لکھے کہ وہ اپنے حلقہ اثر میں اسلام کو نافذ کرنے کی سعی کریں۔ انھوں نے گجرات کے حاکم شیخ مرتضیٰ لاہوری کے نائب قلیچ خاں، بہار کے حاکم لالہ بیگ، دکن کے سالار اعظم عبدالرحیم خانخاناں اور ان کے علاوہ متعدد اہم شخصیات کے نام خطوط لکھے۔ شیخ احمد نے ان سے اسلامی تعلیمات کی اشاعت، ایمان کی حفاظت، غیر اسلامی قوانین کی تردید، اسلامی ارکان کے احیاء اور اسلام کی معاند قوتوں کو دبانے کی درخواست کی اور انھیں بتایا کہ اگر وہ ایسا کریں گے تو آخرت میں ان کو اجر عظیم ملے گا، کیونکہ وہ حقیقتاً وہ کام کریں گے جس کے لیے انبیاء بھیجے جاتے تھے۔[۸۳]

اپنی تخت نشینی کے چھ سال بعد جہانگیر نے نور جہاں سے شادی کی، جس نے اپنے حسن، علم اور ذہانت سے بہت جلد جہانگیر پر غیر معمولی گرفت حاصل کرلی اور اپنے بھائی کو وزیر اعظم اور والد کو دربار کا اہم رکن بنوا کر پوری حکومت پر غلبہ حاصل کرلیا۔ نور جہاں کے اس عروج سے دربار کے شیعہ عناصر، سنیوں کے خلاف متحرک ہو گئے۔ چونکہ شیخ احمد کے بھی سنی طبقہ پر بڑے اثرات تھے اس لیے وہ ان کے بھی مخالف ہو گئے۔ انھوں نے جہانگیر کو یہ باور کرایا کہ شیخ کے مریدین سارے ہندوستان میں پھیلے ہوئے ہیں۔ اور دربار کے امراء اور مختلف ریاستوں کے حکام سے بھی ان کے تعلقات ہیں، اس

لیے وہ حکومت کے لیے خطرہ بن سکتے ہیں۔[۸۴] دوسری طرف وہ صوفیہ جن کے طریقہ اور جن کے مشائخ پر شیخ احمد نے تنقید کی تھی وہ بھی ان سے ناخوش تھے اور جب شیخ کے مریدین اور خلفاء میں سے بعض نے شیخ کے روحانی کمالات کا ذکر کرنا شروع کیا اور ان کے مکشوفات کی اشاعت شروع کی تو انھوں نے علی الاعلان شیخ پر تنقید شروع کر دی۔[۸۵] شیخ کا ایک خط جو انھوں نے چھ سال قبل لکھا تھا اور اس میں اپنے ایک روحانی تجربہ کے بارے میں لکھا تھا کہ وہ مقام صدیق سے بھی آگے چلے گئے۔ اس کی بنیاد پر مختلف لوگوں کی طرف سے سخت تنقید شروع ہوئی، کچھ لوگوں نے ان پر کفر کا فتویٰ لگا کر انھیں واجب القتل قرار دے دیا۔[۸۶]

۱۰۲۸ھ/۱۶۱۹ء میں جہانگیر نے شیخ احمد کو ان الزامات کی وضاحت کے لیے بلوایا۔ تزک جہانگیری میں لکھا ہے کہ جہانگیر شیخ احمد کے جوابات سے مطمئن نہیں ہوا اور ان کی اصلاح نیز عوامی شورش کو کم کرنے کے لیے انھیں قید کرنے کا حکم دے دیا۔[۸۷] بعض دوسرے ذرائع سے اندازہ ہوتا ہے کہ جہانگیر ان کے جوابات سے مطمئن ہو گیا تھا لیکن چونکہ شیخ احمد نے دربار میں داخل ہونے کے آداب کی خلاف ورزی کی تھی اس لیے جہانگیر نے انھیں جیل بھجوا دیا۔[۸۸]

شیخ احمد نے قید و بند کی صعوبتوں کو اولوالعزمی کے ساتھ برداشت کیا، انھوں نے نہ تو اپنے اس اقدام پر اظہار افسوس کیا اور نہ ہی رہائی حاصل کرنے کی جدوجہد کی۔ ان کا عقیدہ تھا کہ اگر اللہ تعالیٰ کی مرضی نہ ہوتی تو انھیں قید نہ کیا جاتا۔ انھوں نے اس کو قرب الٰہی حاصل کرنے کا ایک ذریعہ سمجھا۔[۸۹] اور انھوں نے جیل کے اندر اپنے کام کو اسی جذبہ کے ساتھ جاری رکھا جس جذبہ سے جیل کے باہر شروع کیا تھا، ان کی زندگی اور تعلیمات سے متاثر ہو کر سیکڑوں غیر مسلم قیدیوں نے اپنے سابقہ اعمال سے توبہ کی اور اسلام قبول کر لیا۔[۹۰]

ایک سال بعد جہانگیر نے شیخ احمد کی رہائی کا حکم صادر کر کے انھیں دربار میں بلایا اور خلعت سے سرفراز کیا، ان کی جائداد انھیں واپس کر دی اور انھیں ایک ہزار روپیہ عطیہ دیا۔ نیز شیخ احمد کو اجازت دی کہ چاہیں تو معسکر میں قیام کریں اور چاہیں تو سرہند چلے جائیں۔[۹۱] شیخ احمد نے معسکر میں رہنے کا فیصلہ کیا۔ کیونکہ اس طرح

ان کو بادشاہ اور درباریوں میں دعوت وتبلیغ کا موقع فراہم ہوتا تھا۔ جہانگیر کے ساتھ مختلف نشستوں میں شیخ ان کو قرآن مجید پڑھ کر سناتے، قرآن کا پیغام سناتے، ایمان اور شریعت کے اصولوں کی وضاحت کرتے[۹۲] ایسا لگتا ہے کہ ان ساری چیزوں کا اس پر خاصہ اثر پڑا۔ ایک سال بعد جب جہانگیر نے کانگڑا کا قلعہ فتح کیا تو اس نے وہاں اسلامی قوانین کے نفاذ میں غیر معمولی جوش وجذبہ کا اظہار کیا۔ اسی سال اس نے کشمیر میں مسلمان لڑکیوں کی غیر مسلموں سے شادی کی رسم پر روک لگا دی۔ اس نے ہجری سنہ کو دوبارہ رواج دیا۔ سکوں پر اسلامی علامت کندہ کرائی۔ جن مسجدوں کو شہید کر دیا گیا ان کی دوبارہ تعمیر کروائی اور عربی واسلامی تعلیمات کی حوصلہ افزائی کی[۹۳]

حضرت شیخ احمد نے تین سال عسکر میں قیام کیا مختلف مہموں میں بادشاہ کے ہم رکاب رہے، بہت سے مقامات کا دورہ کیا۔ جب ان کی صحت گرنی شروع ہوئی تو سرہند واپس چلے گئے اور دوسری مصروفیات کو کم کر کے صرف اذکار وعبادات میں مشغول ہو گئے۔ شیخ نے ۲۸ صفر ۱۰۳۴ھ/۱۶۲۴ء کو رحلت فرمائی۔

جس کام کا اوپر ذکر ہوا ہے وہ شیخ احمد کے وسیع کام کا صرف ایک حصہ ہے لیکن مختلف اعتبارات سے اس سے زیادہ اہم کام وہ ہے جو شیخ نے تصوف اور شریعت سے اس کے تعلق کی وضاحت کے سلسلہ میں انجام دیا۔ تصوف کی تاریخ میں وہ پہلے شخص ہیں کہ ان جیسے عظیم صوفی نے صوفیہ کے روحانی تجربات کی حقیقت بیان کی اور اس کے مختلف مراحل کی خصوصیات پر روشنی ڈالی اور اس کی قیمت واہمیت پر کلام کیا۔ اس طرح وہ پہلے شخص ہیں جنھوں نے خدا تک پہنچنے کے نبوی طریقہ اور طریقہ ولایت میں امتیاز کیا اور مؤخر الذکر پر طریقہ نبوت کی روشنی میں تبصرہ کیا شیخ احمد نے غیر معمولی جرأت کے ساتھ تصوف کی پوری تاریخ پر نظر ڈالی اور واضح کیا کہ کون سے نظریات اور اعمال شریعت کی حدود کے اندر ہیں اور کون سی چیزیں شریعت سے انحراف اور قابل تنقید ہیں۔ کوئی شخصیت چاہے کتنی ہی عظیم کیوں نہ ہو۔ اگر اس نے شریعت کے خلاف کوئی بات کہی ہے تو شیخ احمد نے اس پر تنقید کی۔ خاص طور پر وحدۃ الوجود کے فلسفہ کو ہدف تنقید بنایا ہے اور اسلامی عقائد واقدار اور اعمال پر اس کے برے اثرات سے آگاہ کیا۔ اتنا ہی نہیں بلکہ انھوں نے وحدت الوجود کی بجائے وحدت الشہود

کا نظریہ پیش کیا جو شریعت سے پوری طرح ہم آہنگ تھا[۹۹] یہ وہ کام ہے جسے خود شیخ احمد نے احیاء اسلام کے لیے اپنی کاوشوں میں سب سے بڑی خدمت قرار دیا ہے۔ مگر ابھی تک نہ تو اس کا صحیح طور پر مطالعہ کیا گیا ہے اور نہ ہی اس کی اہمیت کا صحیح طور پر اندازہ کیا گیا ہے۔

حواشی ومراجع

[۱] ملا کمال کے شاگردوں میں جرجانی کی شرح مقاصد کے شارح ملا عبدالحکیم سیالکوٹی (۱۰۶۷/۱۶۵۶) شامل ہیں۔ ملا عبدالحکیم سیالکوٹی زبردست عالم دین تھے، عہد شاہجہانی میں شیخ الاسلام کے عہدے پر فائز رہے۔ متعدد کتابیں تصنیف کیں۔ شیخ احمد سرہندی کے بڑے مداح تھے اور ان کو مجدد الف ثانی کہا کرتے تھے۔ اپنی کتاب دلائل التجدید میں ان کے کارناموں کا تذکرہ کیا ہے۔

[۲] نور الحسن: ابوالفضل، انسائیکلوپیڈیا آف اسلام۔ طبع جدید ص ۱/۱۱۷، رضوی، ایس۔ اے۔ اے Religious and intelectual History of the Muslims in Akbar's Reign. منشی رام منوہر لال پبلشر دہلی، باب ۹ ص ۳۷ - ۳۳۹

Religious and Political thought of Abul Fazal PP 339-73

[۳] دیکھئے تفصیلات Sufism and Shariah ص ۱۸، طبع لندن

[۴] شیخ احمد: اثبات النبوۃ، مع اردو ترجمہ۔ ترتیب غلام مصطفیٰ خاں، کراچی ۱۳۸۳ھ ص ۶

[۵] محمد ہاشم کشمی: زبدۃ المقامات۔ نول کشور لکھنو ۱۸۹۰ ص ۱۳۲۔ اس کی طرف شیخ احمد نے اثبات النبوۃ میں اشارہ کیا ہے۔ حوالہ سابقہ ص ۶

[۶] ابوالحسن علی ندوی: تاریخ دعوت وعزیمت، لکھنو ۱۹۸۰ ۵/۱۴۰

[۷] زبدۃ المقامات۔ ص ۱۱۳

[۸] خرقہ وہ لباس ہے جو کسی شیخ کی طرف اپنے مرید کو یا تو راہ سلوک کی ابتدا کرتے وقت یا اس کی تکمیل کے بعد اس وقت عنایت کیا جاتا ہے جب اسے راہ سلوک کے سالکین کی رہنمائی کی اجازت ملتی ہے۔ یہاں یہی مراد ہے۔

[۹] شیخ احمد: مکتوبات۔ ترتیب نور احمد۔ طبع نور کمپنی لاہور ۱۳۸۴ جلد دوم، مکتوب نمبر ۴۴۔ ص ۹۵ - ۹۸

[۱۰] شیخ احمد: رسالہ تہلیلیہ، مع اردو ترجمہ، غلام مصطفیٰ خاں۔ ادارہ مجددیہ کراچی ۱۹۶۵ ص ۲۵ زبدۃ المقامات

۱۱ھ زبدۃ المقامات ص ۱۱۷، تاریخ دعوت وعزیمت ۵/ ۱۳۶
۱۲ھ شیخ کی وضاحت کے مطابق نسبت فردیہ عبارت ہے اس داخلی کیفیت سے جو صوفی کو اپنے روحانی ارتقار کے وقت حاصل ہوتی ہے۔
۱۳ھ شیخ احمد: مبدا و معاد، مطبع انصاری دہلی ص ۴
۱۴ھ مکتوبات جلد اول۔ مکتوب نمبر ۲۹۰ ص ۱۷۱، جلد اول ۲۶۶ ، ص ۵۸۴
۱۵ھ حوالہ سابق جلد اول ۲۹۰۔ ص ۴۴۷
۱۶ھ تاریخ دعوت وعزیمت ۵/۱ ـ ۱۵۰۔ محمد حسن، مقامات امام ربانی مجدد الف ثانی۔ شاہی پریس لکھنؤ، ۱۳۱۴ھ ص ۹
۱۷ھ مکتوبات جلد اول مکتوب نمبر ۲۹۰ ص ۴۴۷۔ منقول ہے کہ خواجہ باقی باللہ نے شیخ احمد کو نقشبندیہ سلسلہ کی اشاعت کے لیے۔ لاہور میں متعین کیا تھا۔ ملاحظہ کیجئے۔ تاریخ دعوت وعزیمت ص ۵/۱۵۲
۱۸ھ مکتوبات جلد اول مکتوب نمبر ۲۶۶۔ ص ۵۸۵۔ تاریخ دعوت وعزیمت ۵/ ۱۵۰
۱۹ھ مکتوبات جلد اول مکتوب نمبر ۳۱ ، ص ۱۰۲
۲۰ھ ایضاً ۱۶۰ ص ۹۔ ۳۳۸
۲۱ھ شیخ احمد کے اس دعویٰ کا کہ آخری صداقت کو پانے سے قبل وہ مقام اتحاد (وحدۃ الوجود) سے گذرے پر Dr. Johanan Friedmann نے اعتراض کیا ہے۔ ان کا خیال ہے کہ شیخ احمد نہ تو اتحاد کامل کے تجربے سے گذرے۔ نہ ان پر جذب کی کیفیات طاری ہوئیں اور نہ ہی ان سے شطحیات کا صدور ہوا۔ ملاحظہ کیجئے :۔
Shaikh Ahmad Sirhindi : An Outline of his Thought and a Study of his Image in the Eyes of Posterity, Montreal Mc Gill/ Queen's university press 1971 PP (6, 20, 24).
اگرچہ یہ واضح نہیں ہے کہ وہ کیا کہنا چاہتے ہیں، لیکن اس کا مقصد ظاہر ہے یعنی وہ شیخ احمد کو حقیقی صوفی ماننے کے لیے تیار نہیں۔ چونکہ انھوں نے نہ تو اتحاد کا تجربہ کیا اور نہ ہی وجد اور سکر کی کیفیات ان پر طاری ہوئیں جو تصوف پر جدید دور کے لکھنے والوں کے مطابق حقیقی تصوف کی علامات ہیں۔ پروفیسر مجیب نے بڑی صاف گوئی کے ساتھ لکھا ہے کہ شیخ احمد اس مزاج اور فکر کے حامل نہیں

ہیں جو صوفیا کی خصوصیت ہے۔

(The Indian Muslims : London Allen & unueen 1967, P 245)

Dr. Friedmann کے اعتراض کی اساس یہ ہے کہ شیخ احمد نے لکھا ہے کہ توحید وجودی کے تجربہ سے گذرتے ہوئے وہ اس سے اس درجہ متاثر تھے کہ انھوں نے اپنی تحریروں میں اس کا بیان کیا تھا۔ لیکن اصلاً ان کی دستیاب تحریروں میں اس طرح کے بیانات نہیں ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ اس تجربہ کا دعویٰ درست نہیں ہے۔

یہ پہلی بات تو یہ ہے کہ جلد اول مکتوب نمبر ۲۹ جس کا ترجمہ مذکور ہے اور جس میں شیخ احمد نے اپنے روحانی تجربات کی مختلف منازل کا بیان کیا ہے اس میں اتحاد اور جمع کے مرحلے کا بھی ذکر ہے۔ وہ اس بات کا کافی ثبوت ہیں کہ شیخ احمد نے حقیقی تجربات بیان کیے ہیں۔ جہاں تک توحید وجودی کے تجربہ سے گذرتے ہوئے انھوں نے جو تحریریں لکھی تھیں ان کا سوال ہے تو ان کے بارے میں شیخ احمد نے لکھا ہے کہ وہ مختلف دوستوں کے پاس منتشر ہیں۔ ان کو جمع کرنا دشوار ہے۔ اس لیے میں نے انھیں علی حال چھوڑ دیا۔ (مکتوبات جلد اول نمبر ۲۹۱ ص ۷۵۸) اور جب شیخ احمد نے ان نظریات سے رجوع کر لیا تو ان کو محفوظ کرنے میں کوئی معقولیت بھی نہیں تھی۔ تیسری بات یہ ہے کہ اس طرح کی کچھ تحریریں ان کے شاگردوں نے جمع کیں ہیں جنھیں "معارف لدنیہ" میں محفوظ کر دیا گیا ہے۔ اس کتاب کے فاضل مرتب نے اس کے مقدمہ میں لکھا ہے کہ میرے جمع اور موازنہ کے دوران مجھے یہ بات واضح طور پر معلوم ہوگئی کہ یہ حالات شیخ احمد کو نقشبندیہ سلسلہ میں راہِ سلوک طے کرتے ہوئے ابتدائی مراحل میں پیش آئے تھے۔ ان معارف میں شیخ خدا کی ذات کو وجود کا عین قرار دیتے ہیں اور ممکنات کی ذوات (ذات) کو خدا کے شئون ذاتیہ قرار دیتے ہیں اور انھیں علم الٰہی میں متعین کردہ شئون ذاتیہ قرار دیتے ہیں اور انھیں بھی واجب کہتے ہیں۔ اسی طریقے سے یہ خیال بھی ملتا ہے کہ تکمیل نام ہے تنزیہ اور تشبیہ کے امتزاج نیز ظلیت کے اثبات کا۔ یہ چار اصول شیخ اکبر کے طریقہ کی بنیاد ہیں (معارف لدنیہ ترتیب عبدالمجید سلفی، لاہور ۱۳۷۶ ص ۲) اس سلسلہ میں زیادہ ہم آہنگ معارف ۵، ۸ اور ۱۰ ہیں۔ چوتھی بات یہ ہے کہ شیخ کا وہ اقتباس جو مذکور ہو چکا ہے اور اس میں یہ ذکر ہے کہ انھوں نے اپنے پیر خواجہ باقی باللہ کے پاس اس وقت ایک رباعی لکھ کر بھیجی جب وہ توحید وجودی کے مرحلے سے گذر رہے تھے۔ نیز اس کی تصدیق اس سے بھی ہوتی ہے کہ خواجہ نے ان کو اس طرح کی رباعی لکھنے پر تنبیہ کرتے ہوئے لکھا کہ "تم نے جو بات لکھی ہے وہ احمقانہ اور معقولیت سے عاری ہے، اس طرح کے خیالات کا حامل شخص خدا کی بارگاہ میں

مقبول نہیں ہو سکتا تم کو خدا کا فرمانبردار ہونا چاہئے ۔ وہ بے نیاز اور غیور ہے" (شیخ اکرام، رود کوثر کراچی تاج آفس ص ۱۵۳) ان ملاحظات کے بعد میرا خیال ہے کہ وحدۃ الوجود کا تجربہ تو حقیقی صوفی کے لیے ضروری ہے لیکن استدراک کے باوجود میرا خیال یہ نہیں ہے کہ وحدۃ الوجود کا تجربہ اور شطحات کا صدور اور وحدۃ الوجود میں یقین رکھنا تصوف کا حصہ نہیں ہے ۔

۲۲ھ شیخ احمد مکتوبات جلد اول نمبر ۱۳، نمبر ۳۱، نمبر ۳۶، نمبر ۱۶۰ نمبر ۲۹۱

۲۳ھ تفصیلات کے لیے دیکھئے تاریخ دعوت و عزیمت ص ۵/۵۶ - ۱۵۴

۲۴ھ سلطان جہانگیر : تزک جہانگیری تحقیق سید احمد خاں علی گڑھ ۱۸۶۴ ص ۳ - ۲۷۲

۲۵ھ شیخ احمد مکتوبات جلد اول نمبر ۱۳۱ ص ۵ - ۴ ۳۰ ۔ نمبر ۱۶۸ ص ۳۵۲ نمبر ۲۲۱ ص ۵ - ۲۶۴ نمبر ۳۱۲ ص ۸ - ۸۲۷ ۔

۲۶ھ ایضاً جلد دوم نمبر ۶ ص ۸۷۲

۲۷ھ ایضاً جلد اول، نمبر ۲۳۴، ص ۹۵۴ ۔ جلد اوّل نمبر ۲۶۱ ص ۵۷۴ ۔ جلد دوم نمبر ۴ ص ۸۷۰ ۔ جلد سوم نمبر ۱۰۰ ص ۱۵۰۶

۲۸ھ ملاحظہ کیجئے کتابیات ۔

۲۹ھ عزیز احمد Islamic Culture in the Islamic Environment, oxford university Press 1964. P.175

ملا مبارک ناگوری کے سلسلے میں دیکھئے Sir Wolseley Haig (Planned) Sir Richard Burn(ed) Cambridge History of India vol IV Cambridge 1937 P.P. 114,106

۳۰ھ عبدالقادر بدایونی : منتخب التواریخ ۔ کلکتہ ۱۸۶۵ جلد سوم ص ۱ - ۱۳۰ فتح اللہ شیرازی کے بارے میں دیکھئے ۔ ایم اسلم : سرمایۂ عمر، ندوۃ المصنفین ۔ لاہور ۱۹۷۶ ص ۳۰ - ۹

۳۱ھ منتخب التواریخ ص ۲/ ۸ - ۲۴۵

۳۲ھ اثبات النبوۃ ص ۱۹، ۲۰

۳۳ھ Sufism & Shariah ص ۷۲، ۱۰ - ۲۰۸

۳۴ھ سرمایہ عمر ص ۱۱۴

۳۵ھ تاریخ دعوت و عزیمت ص ۵ / ۴۵

۳۶ھ مکتوبات جلد اول نمبر ۱۳ ص ۲۷۸، نمبر ۲۵۱ ص ۸ - ۵۲۳ نمبر ۲۶۶ ص ۲۰ - ۶۱۶ جلد دوم

نمبر ۱۵ ص ۸۹۳ ، نمبر ۳۶ ص ۵۸ - ۹۳۱ ، نمبر ۶۷ ، ص ۸ - ۱۰۷۷ نمبر ۹۶ ، ص ۵۰ - ۱۱۳۹

۳۷ــه ایضاً جلد اول نمبر ۲۵۱ ص ۵۲۳ ، جلد دوم نمبر ۹۶ - ص ۱۱۵۰

۳۸ــه شیخ احمد نے لکھا ہے مولانا جامی (۸۹۸/۱۴۹۲) اور بعض دوسرے مصنفین نے امیر معاویہ پر اعتراض کیا ہے ۔ (مکتوبات جلد اول نمبر ۲۵۱ ص ۵ - ۵۲۴)

۳۹ــه اپنی کتاب رد روافض میں شیخ احمد نے متعدد شیعہ فرقوں اور ان کے عقائد کا تذکرہ کیا ہے ان میں سے کچھ عقائد ایسے ہیں جو اسلام کی بنیادیں ہی کو منہدم کر دیتے ہیں ۔ مثلاً علی ہی خدا ہیں ۔ یا مثلاً یہ کہ وحی دراصل حضرت علی کی طرف ہی آرہی تھی لیکن جبرئیل کی غلطی سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منتقل ہوگئی ۔ اور یہ کہ روحیں مختلف شکلوں میں بار بار پیدا ہوتی رہتی ہیں ۔ شیعوں کے بڑے فرقے ان عقائد کے حامل نہیں ہیں ۔ صرف کچھ ہی انتہا پسند فرقے یہ خیالات رکھتے ہیں انہی کو امت نے کافر قرار دیا ہے ۔ جو شیعہ صحابہ خاص طور پر ابتدائی تین خلفاء راشدین اور ان صحابہؓ پر تبرا کرتے ہیں جنھوں نے حضرت علیؓ کے خلاف جنگ میں حصہ لیا ان شیعوں کے بارے میں رائے مختلف ہے ۔ اگرچہ اس طرح کے فعل کو سنی علماء نے سختی کے ساتھ رد کیا ہے تاہم کچھ حنفی علماء اور علماء ماوراء النہر کے ایک گروہ کے علاوہ ان کو علماء کی اکثریت نے کافر قرار نہیں دیا ہے اگرچہ ان میں سے بھی اکثر ان شیعوں کو کافر کہہ دیتے ہیں جو حضرت ابوبکرؓ، عمرؓ اور دوسرے صحابہ کو کافر کہتے ہیں ۔ رد روافض میں شیخ احمد نے علماء ماوراء النہر کی توثیق کی ہے کہ صحابہ کرام کو کافر قرار دینے والے یا ان پر تبرا کرنے والے شیعہ کافر ہیں ۔ مگر جہاں تک مکتوبات کا تعلق ہے تو شیخ نے اس عمل کو فسق و بدعت تو قرار دیا ہے لیکن ان کے عمل کرنے والوں کو کافر کہنے سے اعراض کیا ہے ۔ (اس موضوع پر تفصیلی گفتگو کے لیے دیکھئے ۔ ابن عابدین کا رسالہ تنبیہ الولاۃ والحکام علی احکام شاتم خیر الانام واصحابہ الکرام، مشمولہ رسائل ابن عابدین تاریخ طبع ندارد جلد اول ص ۱۷ - ۳۵۷ ، شیخ الاسلام ابن تیمیہ کی کتاب الصارم المسلول علی شاتم الرسول سبکی کی السیف المسلول علی من سب الرسول ، قاضی عیاض ، کی الشفاء وغیرہ)

۴۰ــه محمد منظور نعمانی: تذکرہ امام ربانی مکتبہ الفرقان لکھنؤ ۱۹۸۲ ص ۲۹۹

۴۱ــه مکتوبات جلد اول نمبر ۲۶۶ ص ۶۱۲

۴۲ــه ایضاً جلد سوم نمبر ۴۱ ص ۱۲۹۷ ۔

۴۳ــه ایضاً جلد سوم نمبر ۴۱ ص ۱۲۹۸ ، جلد اول ۲۶۶ ص ۶۱۲

۴۴ــه تذکرہ امام ربانی ص ۱۲۳ ۔ یہ تعجب خیز بات ہے کہ شیخ اکرام نے بغیر حوالہ کے کفری تخلص کا انتساب

خود شیخ احمد کی طرف کیا ہے۔ (Muslim civilization in India, New york & London, columbia university Press, 1964, P. 167)

یہ شیخ اکرام کی غلطی ہے۔

۴۵ مکتوبات جلد سوم نمبر ۴۱ ص ۱۲۹۸

۴۶ ایضاً جلد اول نمبر ۲۸۸ ص ۷۲۲

۴۷ ایضاً جلد اول نمبر ۲۶۱ ص ۵۷۳

۴۸ ایضاً جلد اول نمبر ۲۶۶ ص ۶۲۶، جلد دوم نمبر ۶۲ ص ۱۰۶۱

۴۹ ایضاً جلد اول نمبر ۲۶ ص ۵۶۲۔ فرض کا مطلب ہے وہ اعمال جو واجب اور لازم ہیں اور سنت کا مطلب ہے وہ اعمال جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیے اور ان کی تاکید بھی کی لیکن ان کو لازمی قرار نہیں دیا، اگرچہ یہ اصطلاحات ہیں تاہم یہاں ان سے نماز مراد ہے۔

۵۰ ایضاً جلد دوم نمبر ۲۸ ص ۲۔ ۹۲۱

۵۱ ایضاً جلد سوم نمبر ۴۱ ص ۱۳۰۶

۵۲ ایضاً جلد اول نمبر ۲۷۶۔ ص ۶۷۳

۵۳ ایضاً جلد اول نمبر ۲۶۱ ص ۵۷۳

۵۴ ایضاً جلد اول ۲۹۴ ص ۷۷۶، جلد دوم ۵۸ ص ۱۰۵۰

۵۵ ایضاً جلد اول نمبر ۲۳۲ ص ۱۰۵۰ جلد سوم نمبر ۶۶ ص ۱۳۶۷، جلد اول نمبر ۲۳۴ ص ۳۔۴۹۲

۵۶ ایضاً جلد اول نمبر ۲۹ ص ۶۔ ۹۵

۵۷ ایضاً جلد اول ۲۳۱ ص ۴۸۱

۵۸ بدعت کے سلسلہ میں شیخ احمد کا کلام ملاحظہ ہو، مکتوبات جلد اول ص ۱۸۶، ۲۳۱، ۹۱، اور اس موضوع پر تفصیلی گفتگو کے لیے دیکھئے۔ ابو اسحاق الشاطبی کی کتاب "الاعتصام" مکتبۃ التجاریۃ الکبریٰ۔ قاہرہ۔

۵۹ مکتوبات جلد دوم نمبر ۵۴۔ ص ۱۰۳۲

۶۰ تذکرہ امام ربانی ص ۸۷

۶۱ مکتوبات جلد اول نمبر ۱۰۲ ص ۲۵۶

۶۲ تذکرہ امام ربانی ص ۲۵۵ تاریخ دعوت و عزیمت ص ۴/ ۱۱۲، ۱۶۳

۶۳ھ تذکرہ امام ربانی ص ۶۹

۶۴ھ ایضاً ص ۷۲

۶۵ھ مکتوبات جلد اول نمبر ۲۱۳ ص ۴۲۵، نمبر ۱۹۴ ص ۳۸۹

۶۶ھ ایضاً جلد اول نمبر ۴۷ ص ۱۶۳

۶۷ھ تاریخ دعوت و عزیمت جلد ۴/۹۱ - ۸۸

۶۸ھ مکتوبات جلد اول نمبر ۱۰۲ ص ۲۵۶

۶۹ھ ایضاً جلد اول نمبر ۲۷۵ ص ۶۷۰

۷۰ھ محضر نامہ کی تفصیلات کے لیے دیکھئے منتخب التواریخ۔ بدایونی، ص ۲/۲ - ۲۷۱، ۲۷۱ اس کے انگریزی ترجمہ کے لیے ملاحظہ ہو۔ M. Mujeeb: Indian Muslims Allen & Unwin 1967, P 242-3

۷۱ھ Aziz Ahmad: Islamic culture in the Indian Environment oxford clarendon press, 1964, P 175

۷۲ھ دین الٰہی کی تفصیلات کے لیے دیکھئے تاریخ دعوت و عزیمت ۴/۲۵ - ۱۰۸

۷۳ھ اکبر کی مذہبی پالیسی میں ابوالفضل کے کردار کے لیے دیکھئے۔ مشیر الحسن کا مقالہ Studies in Islam دہلی۔ جلد ۱۰ جنوری تا اپریل ۱۹۷۳ ص ۱۱۹ اور عزیز احمد کی کتاب Islamic culture in the Indian Environment P. 173

۷۴ھ تفصیلات کے لیے رجوع کیجئے۔ شیخ اکرام Muslim civilization in India PP 162-3

۷۵ھ جن لوگوں نے اکبر کی مذہبی پالیسی کی مخالفت کی تھی ان میں شیعہ عالم اور جونپور کے قاضی ملا محمود یزدی اور بنگال کے قاضی القضاۃ معز الملک شامل ہیں۔ (شیخ اکرام: Muslim civilization in India P 160) شیخ احمد شدید تعذیب اور موت کے گھاٹ اتار دیے جانے کا بھی تذکرہ کیا ہے۔

۷۶ھ عزیز احمد Islamic Culture in Indian Environment P 180
شیخ اکرام Muslim Civilization in India P. 163
مکتوبات جلد اول نمبر ۱۹۵ ص ۳۹۱

۷۷ه مکتوبات جلد اول نمبر ۴۷ ص ۱۹۲۔ نمبر ۸۱ ص ۲۲۵

۷۸ه ایضاً جلد دوم نمبر ۹۲ ص ۳۰ — ۱۱۲۹

۷۹ه K.A.Nizami : Naqshbandi Influence on the Mughal Rulers and politics, Islamic culture Jan 1965, P. 47

۸۰ه مکتوبات جلد اول نمبر ۱۹۵، ص ۱ — ۳۹۰

۸۱ه ایضاً جلد دوم مکتوب نمبر ۶۷ ص ۱۰۸۲

۸۲ه ایضاً جلد اول مکتوب نمبر ۵۳ ص ۱۷۱

۸۳ه ملاحظہ کیجئے مکتوبات، جلد اول نمبر ۲۶۹، ص ۴۸، ۱۶۳، ۱۶۵، ۵۳، ۱۹۵، ۶۵ جلد دوم نمبر ۵۷ ص ۵۴

۸۴ه شیخ اکرام۔ رود کوثر ص ۱۵۹

۸۵ه ایضاً ص ۱۵۷

۸۶ه کچھ نے ان پر کفر کا فتویٰ لگایا (تذکرہ امام ربانی ص ۹۹) اور کچھ نے ان کو قتل کرنے کا مطالبہ کیا (رود کوثر ص ۱۶۲)

۸۷ه رود کوثر ص ۱۶۰

۸۸ه بدر الدین: حضرات القدس ص ۱۷- ۱۱۶ بحوالہ تاریخ دعوت وعزیمت ص ۴/۳- ۱۶۲

۸۹ه مکتوبات جلد سوم نمبر ۵۔ ص ۱۲۰۲ نمبر ۲ ص ۴ - ۱۱۹۳ نمبر ۶۔ ص ۱۲۰۳

۹۰ه Arnold, T.W.: Preaching of Islam, 2nd revised ed London constable & company 1913, P. 412

۹۱ه رود کوثر ص ۱۶۳

۹۲ه مکتوبات جلد سوم نمبر ۴۳، ص ۱۳۰۷، نمبر ۱۰۶ ص ۱۵۱۳ نمبر ۷۲ ص ۱۳۶۸

۹۳ه سرمایۂ عمر ص ۳۱ - ۱۲۸ Muslim civilization in India P. 169

۹۴ه مکتوبات، جلد دوم نمبر ۴۔ ص ۸۷۰، جلد اول نمبر ۲۶۱ ص ۵ - ۵۷۴ نمبر ۲۳۴ ص ۴۹۴ جلد سوم۔ نمبر ۱۰۰ ص ۱۵۰۶